عبادُاللہ فاروقی

ہندوستان میں نظریۂ وحدۃ الوجود کا سیاسی پس منظر

مسلمانوں کی تبلیغی سرگرمیاں اور اُن کا ردِّ عمل اسلام کی جو روشنی ہندوستان میں پھیلی اس کا اکثر حصّہ اُن علماء وصوفیاء کے باطنی کمالات کا مرہُونِ منّت ہے جو شریعت وطریقت کا رشتہ مضبوطی سے قائم کیے ہوئے تھے۔ جن کے نزدیک اسلامی قومیّت کی اساس توحید و رسالت پر تھی اور ان کی تمام سرگرمیاں اسی محور کے گرد گھومتی تھیں۔ چنانچہ مُغلیہ دَور سے قبل اِن نفوسِ قدسیہ کی بدولت کفّار کثیر تعداد میں حلقۂ اسلام میں داخل ہونا شروع ہو گئے تھے جس سے پنڈتوں اور برہمنوں کی پُوری جماعت خوف اور تشویش میں مبتلا ہو کر رہ گئی تھی، انہیں یہ خوف لاحق ہو گیا تھا کہ مستقبل قریب میں ہندو قوم کا نام و نشان تک مٹ جائیگا اور ان کی جگہ توحید پرستوں کا دَور دورہ ہو گا۔ چنانچہ وہ اشاعتِ اسلام کے سدِّباب کے لیے منصوبے تیار کرنے لگے۔

سب سے پہلے بزرگ جو ہندوستان میں وارد ہوئے وہ شیخ اسمٰعیل محدّث بخاری تھے۔ انہوں نے بے شمار کفّار کو حلقۂ ارادت میں لے کر مشرّف بہ اسلام کیا۔ مفتی غلام سرور خزینۃ الاصفیاء میں رقمطراز ہیں:-

"چوں شیخ اسمٰعیل در لاہور تشریف آورد، بروز جمعۂ ثانی پانصد و پنجاہ و بروز جمعۂ ثالث یک ہزار در زمرۂ اہلِ توحید گشتند۔"

صاحبِ تذکرۂ علمائے ہند ان کے متعلق فرماتے ہیں:

"از عظمائے محدثین و مفسّرین بُود۔ اوّل کسے است کہ علمِ تفسیر و حدیث در لاہور آورد، ہزار ہا مردم در مجلسِ وعظِ وے مشرّف باسلام شدند۔"

ان کے بعد حسین زنجانیؒ و شیخ علی بن عثمان ہجویریؒ یکے بعد دیگرے تشریف لائے اور بے شمار لوگوں کو حلقۂ اسلام میں داخل کیا۔ حضرت ہجویریؒ کے ہمراہ سیّد لطفیؒ اور سیّد ابوسعیدؒ بھی تشریف لائے اور

اپنے تبلیغی فرائض سرانجام دیتے رہے۔ ان کے بعد حضرت سخی سرور سہروردی اس کام کے لیے مامور رہے شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے ملتان میں رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔ ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے شیخ صدر الدین اور ان کے بیٹے شیخ رکن الدین جانشین ہوئے۔ علاؤ الدین خلجی آپ کا بیحد معتقد تھا۔ علاؤ الدین خلجی کی وفات کے بعد اس کے بیٹے مبارک کے زمانہ میں شیخ نظام الدین محبوب الٰہی تبلیغ اسلام میں مصروف رہے۔

ملتان کے بعد اُچ، ایک ایسا مقام ہے جو اسلامی حکومت کے ابتدائی ایّام میں تبلیغِ اسلام کا مرکز رہا۔ یہاں سے اسلام کی کرنیں راجپوتانہ، سندھ اور پنجاب میں پھیلیں۔ یہاں سب سے پہلے ۶۳۲ھ میں شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے خلیفہ سیّد جمال الدین اور شاہ میر فرّخ بخاریؒ تبلیغِ اسلام کے لیے وارد ہوئے، انہوں نے اپنے قیام کے دوران میں سینکڑوں راجپوت قبیلوں کو مسلمان کیا۔ آپ کے مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے اشاعتِ اسلام کا فریضہ نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دیا۔ مخدوم لال شہباز قلندر نے جو سلسلۂ سہروردیہ سے وابستہ تھے ملتان کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کی جولانگاہ بنایا۔ علاقہ کشمیر میں امیر کبیر سیّد علی ہمدانیؒ اور میر محمد ہمدانیؒ نے اشاعتِ اسلام کی۔ بنگال کے پہلے مبلّغ شیخ جلال الدین تبریزی سہروردی تھے۔ اس طرح مغلیہ عہد سے پہلے ہندوستان میں انوارِ اسلام کی ہر طرف بارش ہو چکی تھی۔ ہندو مذہب جو اسلام کی ضیا پاشی کی تاب نہ لاتے ہوئے دم توڑ رہا تھا اپنی بقا کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ بالآخر ہندو ذہن میں جو تجویز آئی وہ یہ تھی کہ مسلمانوں کو متحدہ قومیت میں مدغم کر کے ان کا امتیازی قومی نشان مٹا دیا جائے۔

مغلیہ دور سے پہلے جن نفوسِ قدسیہ نے بساطِ عالم پر کروٹ لی، ان کی زندگی کا واحد مقصد اشاعتِ دین تھا۔ وہ دنیاوی اور سیاسی جھمیلوں سے بالکل آزاد تھے۔ نتیجہ یہ تھا کہ اسلامی قومیّت کی اساس یعنی توحید اور رسالت اس قدر محکم تھی کہ اس کے خلاف کبھی کوئی آواز نہ اٹھتی تھی۔ تبلیغ کی بنیاد بھی اس پر تھی، لیکن حالات نے رُخ بدلا۔ امتدادِ ایّام کے ساتھ نہ حکمرانوں میں پہلی سی بات رہی نہ علماء و صوفیاء میں (اِلّا ما شاء اللہ)۔ اسلام کی خالص تعلیمات اور دینِ فطرت کی سادگی کے ساتھ مقامی اثرات ملوّث ہوتے گئے۔ کچھ تو ہندو ثقافت اور مذہب کے اثر سے اور کچھ عجم سے آنے والے نو فلاطونیت زدہ تصوّرِ مذہب کی بنا پر اسلام جاہلانہ عقائد، رسومِ شرک و بدعت اور غیر اسلام کا آمیزہ بنتا چلا گیا۔ شریعت و طریقت

کا وہ توازن جو پہلے صوفیاء نے قائم کر رکھا تھا مغلیہ دور میں برقرار نہ رہ سکا۔ وحدت الوجود کے ہندی و یونانی نظریے غالب آکر توحید و رسالت کا تصوّر مٹانے لگے۔

ہندوستان میں دو قومی نظریہ کو مٹانے کے لیے مغلیہ عہد سے پہلے بھگتی تحریک کا آغاز ہو چکا تھا۔ اس تحریک کا مقصد درمیانی واسطوں یعنی پیغمبروں اور رشیوں سے قطع نظر کر کے اللہ تعالیٰ سے براہِ راست رابطہ قائم کرنا تھا تاکہ مختلف اقوام کی شیرازہ بندی کر کے متحدہ قومیت کو تشکیل دیا جا سکے۔ بھگتی مذہب یا تحریک بھی نظریۂ وحدت الوجود کی طرح مسلمانوں کی تبلیغی سرگرمیوں کا ردِّ عمل تھی۔ اس کا ایک مقصد مسلمان فاتحین اور ہندو مفتوحین میں امتیاز ختم کر کے انہیں قومی وحدت میں شامل کرنا تھا۔ یہ اسی تحریک کا نتیجہ تھا کہ اکبر نے نہ صرف دینِ الٰہی کی اشاعت کی بلکہ ہندوؤں اور سکھوں کے ساتھ ازدواجی تعلقات بھی قائم کیے۔ اس دور میں ہندو برہمنوں اور پنڈتوں نے وحدت الوجود کے ہندی و یونانی تصورات اسلام میں داخل کر کے صوفیائے اسلام کو دین سے برگشتہ کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شریعت اور طریقت کا توازن قائم نہ رہ سکا جس سے اسلامی نظریۂ قومیت کی اساس یعنی توحید اور رسالت کا تصوّر بھی ٹلنے لگا۔ عہدِ اکبری میں علماءِ سُو نے اسلام کے خدوخال بگاڑنے میں جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ان کی ایک جھلک ذیل میں ملاحظہ ہو۔

(الف) قاضی خاں بدخشانی نے اکبر کو سجدہ کرنے کا فتویٰ دیا، تو ایک دوسرے عالم مُلّا عالم کابلی متاسف ہوئے کہ کاش یہ خدمت ان سے سرانجام پاتی۔

(ب) مخدوم الملک فریضۂ حج کے اسقاط کا مسئلہ تلاش کر لائے۔

(ج) شیخ امان پانی پتی کے ایک بھتیجے نے علمی تحقیق کر کے کہیں سے ڈاڑھی منڈانے کی حدیث نکال لی۔

غرض اس دور میں اسلام پر وہ مصیبتیں آئیں جن کا تصوّر ہی محال ہے۔ اسلام کے خلاف اس دور میں جو تحریکیں بطورِ ردِّ عمل پیدا ہوئیں ان کے نام یہ ہیں:

(۱) ہندی[۱] و یونانی نظریۂ وحدت الوجود (۲) بھگتی تحریک (۳) مہدوی تحریک۔ (۴) افضلیتِ ولایت کی تحریک وغیرہ۔

---

[۱] ہندی نظریۂ وحدت الوجود۔ اس نظریہ کے مبلغ شنکر اچاریہ تھے۔ شنکر اچاریہ کے نزدیک حقیقت صرف برہما ہے۔ برہما اپنی ذات کے اعتبار سے ازلاً ابداً یکساں ہے۔ ہر قسم کی دوئی سے منزہ اور اشکال سے ماوراء ہر قسم کے تعلق اور آمیزش

اِن تحریکات کا واحد مقصد "رسالت" کی نفی کرکے متحدہ قومیّت کا قیام عمل میں لانا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ مخالفین اِس حد تک کامیاب ہوئے کہ انہوں نے طریقت کو شریعت سے جُدا کرکے بعض علماء کو جادۂ مستقیم سے ہٹا دیا۔ اور دین میں وہ خلل اندازی کی جس کی نظیر نہیں ملتی۔ اِس پُرآشوب دَور میں حضرت مجدّدؒ نے تحریکِ مجدّدیہ کی ابتداء کی۔ ان کی مساعیِ جمیلہ کی بدولت مسلمانوں نے سنبھالا لیا اور ان کا نظریۂ قومیت مٹتے مٹتے رہ گیا۔ مجدّدؒ کی دو قومی نظریہ کی تحریک نے ہندوؤں کی متحدہ قومیّت کی سالہا سال کی پُرانی تحریک کو کچھ عرصہ کے لیے حرفِ غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔ تاہم ان کی یہ کوششیں برابر جاری رہیں اور وقتاً فوقتاً مختلف رُوپ دھار کر سامنے آتی رہیں۔ مسلمانوں نے ہر دَور میں اس کا مقابلہ کیا۔ یہ تحریک اقبال کے زمانہ میں کسی نہ کسی صورت میں موجود تھی کہ اسے بھی کہنا پڑا ؎

سے بری، ہر قسم کی قیود اور ہر قسم کے تعینات سے برتر شعورِ محض سکونِ خالص، کائنات اپنی تمام جزئیات اور پوری تفاصیل کے ساتھ برہما کی مظہری صورت ہے۔ اس ظہور کی علت اور اس کا محل اور ہیولیٰ بھی خود برہما ہی ہے۔ اس کے علاوہ کسی کی ہستی نہیں۔ عالم یا یہ مظہری کثرت علمی واقعیّت کے طور پر موجود ہے، ذہنی تخیلات سے بالکل مختلف اور جدا۔ برہما کی اس مظہری ہستی دیا کثرت) میں اور انسانی انا کی مظہری ہستی میں تلازم ہے جب تک مظہری انا اپنی مظہری شخصیّت کو قائم کیے ہوئے ہے وہ اس کثرت کا واقعی فرد ہے اور کثرت اس کے لیے واقعی حقیقت ہے۔ اس کی یہی مظہری واقعیت بنیاد ہے سوشل تعلقات کی اور اسی پر مدار ہے اس کے مذہبی فرائض اور واجبات کا لیکن یہ کثرت واقعۃً حقیقی نہیں ہے۔ اس کی بنیاد محض بے علمی یا جہالت ہے۔ جونہی اصل حقیقت کا عرفان ہُوا کہ انا حقیقتاً خود ہی برہما ہے تو یہ کثرت غائب ہوتی۔ اب نہ اعمال ہیں نہ ان کے اثرات، نہ تعلقات ہیں نہ متعلقین، فقط برہما ہی برہما ہے جب تک حقیقت کا عرفان نہیں "میں" ، "میں رہتا ہوں اور "تُو" "تُو"۔ جہالت رفع ہوئی تو نہ تُو تُو ہے نہ مَیں مَیں، صرف برہما ہی ہے۔ بے صورت بے قید حقیقت خالص اور شعور محض۔

یہ عدمِ عرفان (جہالت) نہ صرف شخصی ہے بلکہ کائناتی بھی، بلکہ وہ مظہری کائنات کی بنیاد ہے۔ چونکہ پوری مظہری کائنات اس حقیقت کے اعتبار سے برہما ہی برہما ہے اس لیے یہ جہالت اور عدمِ عرفان بھی برہما ہی ہے اور مظہری کائنات کی طرح خود بھی علمی واقعیّت ہے لیکن اصل عرفان کے ساتھ یہ فنا ہو جاتی ہے اس لیے بے حقیقت اور لاشے ہے حقیقت تو وہی ہے جو لازوال ہے۔ گویا کائنات یا یہ کثرت نتیجہ ہے جہالت کا، جو بے حقیقت اور بے بُود ہے۔ اور برہما جو حقیقت ہے اور ہست

بہ مُصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ اُو نرسیدی تمام بُولہبی است

نظریۂ وحدت الوجود کے تاثرات بھگتی مذہب کی نسبت زیادہ مہلک ثابت ہوئے۔ بھگتی مذہب میں تو صرف رسالت سے انکار پایا جاتا تھا۔ لیکن وحدتِ وجود کے تصوّر میں نہ توحید بچی نہ رسالت۔ خود توحید کی نفی کو اس قدر ضروری نہیں سمجھتے تھے جتنا کہ وہ رسالت کی نفی کو۔ کیونکہ انہیں یقین تھا کہ مسلمانوں کے قومی نظریے کی جڑ اگر کٹ سکتی ہے تو نفیِ رسالت سے۔ چنانچہ انہوں نے بے شمار مسلمانوں کو اس مخصوص نظریۂ توحید کے ماننے میں جس کی اشاعت بھگتی مذہب کر رہا تھا، اپنا ہم عقیدہ بنا رکھا تھا۔ بدعقیدہ مسلمانوں نے اپنے لیے وجہ جواز مندرجۂ ذیل نصِ قرآنی و حدیثِ نبوی تلاش کر رکھی تھیں:

(حدیث (۱) من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ یعنی جس نے توحید کا اقرار کیا وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ اس پر حضرت ابوذر غفاری نے کہا تھا وان زنیٰ وان سرق یعنی جس نے چوری کی اور زنا کیا وہ بھی؟ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تھا علیٰ رغم انفِ ابی ذر، یعنی ابوذر کا ناک رگڑ کر بھی وہ جنّت میں داخل ہو گا۔

آیۂ کریمہ: (۲) اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْہِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ الخ یعنی "جس نے توحید کا اقرار کیا اور اس پر استقامت اختیار کی اس پر ملائکہ کا نزول ہوا"۔

مندرجہ بالا حدیث اور نصِ قرآنی میں چونکہ ایمان بالرسالت کو لازم قرار نہیں دیا گیا۔ اس بنا پر وہ رسالت کو توحید کا جزوِ لاینفک قرار نہ دیتے ہوئے حدیثِ نبوی اور آیت قرآنی کو اپنے دعویٰ کی تائید میں پیش کرتے تھے۔

دارا شکوہ کے پیر مُلّا بدخشی بھگتی مذہب کی ترجمانی کرتے ہوئے عقیدہ رسالت سے یوں انحراف کرتے ہیں ؎

پنجہ در پنجہ خدا دارم | من چہ پروائے مصطفےٰ دارم

اکبر نے بھی دعوائے نبوت کیا تھا ؎

بادشاہ امسال دعوائے نبوت کردہ است | سالِ دیگر گر خدا خواہد خدا خواہد شُدن

اکبر خود کو خلیفۃ اللہ کہتا تھا ؎

بادشاہ امسال دعوائے خلافت کردہ است — سالِ دیگر گر خدا خواہد، خدا خواہد شدن

(عبدالقادر بدایونی)

ایک مرتبہ فیضی نے بھی ایک قصیدہ لکھا تھا جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

شکرِ خدا کہ عشقِ بتان است رہبرم — بر ملّت برہمن و بر دین آذرم

اس کے جواب میں نشانی شاعر نے ایک قصیدہ لکھ کر اپنے پابندِ شریعت ہونے کا ثبوت پیش کیا قصیدہ کے دو اشعار ملاحظہ ہوں ؎

شکرِ خدا کہ پیرو دینِ پیمبرم — حُبِّ رسُول و آلِ رسول است رہبرم

قائل بہ رُوزِ حشر و قیامِ قیامتم — اُمّید وارِ جنّت و حوری و کوثرم[1]

وحدۃ الوجود کے حامیوں نے یہ بھی قرار دیا تھا کہ مقامِ ولایت مقامِ رسالت سے ارفع ہے۔ یہ مقامِ رسالت پر تیسرا حملہ تھا جو مسلمانوں کی جانب سے کیا گیا۔ مرتبۂ ولایت کی افضلیت ثابت کرکے وہ دو قومی نظریہ کی اساس یعنی رسالت کی مکمل نفی چاہتے تھے۔ چنانچہ حضرت مجددؒ کو اس الحاد کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اس کے ردّ میں فرماتے ہیں:

"دریائے محیط را نسبتے است بقطرہ۔ درانیجا آں نسبت ہم مفقود است مگر آنکہ گویم نسبتِ مقامِ نبوّت بمقامِ ولایت ہمچوں نسبت غیر تناہی است بہ تناہی۔ سبحان اللہ جاہلے ازیں سبر میگوید۔

اَلوِلایۃُ اَفضَلُ مِنَ النّبُوّۃِ

دیگرازعدمِ آگاہی ایں معاملہ در توجیہ میگوید:

وِلَایۃُ النّبیّ اَفضَلُ من النّبُوّۃِ

کَبُرَتْ کَلِمَۃً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاھِھِم"[2]

(ترجمہ) دریائے محیط قطرہ سے کچھ نسبت رکھتا ہے۔ اس مقام پر وہ نسبت بھی مفقود ہے مگر ہم

---

[1] تاریخ بدایونی، تذکرہ شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ۔

[2] مکتوبات دفتر اوّل، مکتوب ۲۶۰

یہی کہیں گے کہ مقامِ نبوّت اور مقامِ ولایت کی باہمی نسبت ایسی ہے جیسے غیر متناہی کی نسبت متناہی کے ساتھ ہے۔ سُبحان اللہ، جاہل نے اس سلسلہ میں کہا ہے کہ ولایت نبوّت سے افضل ہے دوسری بات یہ ہے کہ وہ اصل حقیقت سے بے خبری کی وجہ سے اس عبارت کی یہ توجیہ کرتا ہے کہ نبی کی ولایت نبی کی نبوّت سے افضل ہے۔ کیا خطرناک کلمہ ہے جو ان کے مُنہ سے نکلتا ہے۔"

دوسرے مقام پر اس باطل نظریے کا یُوں رد فرماتے ہیں:

"آنانکہ گفتہ الولایۃ افضل من النبوۃ از ارباب سُکر است و از ارباب غیر مرجوع کہ نصیب وافر از کمالاتِ نبوت ندارد[۱]"

ترجمہ: "جنہوں نے کہا ہے کہ ولایت نبوّت سے افضل ہے وہ اربابِ سُکر اور اولیاء کے غیر رجوع میں سے ہیں، جن کو کمالاتِ نبوت میں سے زیادہ حصّہ نہیں ملا۔

ایک اور خط میں لکھتے ہیں:

"ولایت را از نبوت افضل گفتن و سُکر را بر صَحو ترجیح دادن در رنگ آنست کہ کسے کفر را بر اسلام ترجیح دہد وجہل را از علم بہتر داند زیرا کہ کفر وجہل مناسب مقام ولایت است واسلام ومعرفت مناسب مرتبۂ نبوّت[۲]"

(ترجمہ) ولایت کو نبوّت سے افضل کہنا اور سُکر کو صَحو پر ترجیح دینا ایسا حکم رکھتا ہے جیسا کوئی کُفر کو اسلام پر ترجیح دے۔ اور جہل کو علم سے بہتر جانے کیونکہ کفر وجہل کا مقام ولایت کے مناسب ہے اور اسلام ومعرفت مرتبۂ نبوت سے مناسبت رکھتا ہے۔

(۴) اسلامی نظریۂ قومیّت پر چوتھا حملہ مہدویہ جماعت کی طرف سے تھا جس کے بانی سیّد محمد جونپوری تھے۔ جو ۸۴۷ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کا ابتدائی زمانہ کمال زہد تقشف، استغراق واستہلاکِ باطنی میں گزرا۔ اسی اثنا میں ان پر ایک سانحہ وارد ہوا۔ اور معلوم ہوا "اَنْتَ الْمَھْدِیْ" کی صدا آرہی ہے۔ برسوں تک متامّل رہے اور جب پے در پے یہی معاملہ پیش آیا تو انہوں نے مہدی ہونے کا اعلان کر دیا۔

---

[۱] مکتوبات دفتر اوّل، مکتوب ۲۵۱

[۲] مکتوبات دفتر اوّل، مکتوب ۲۹۸

علماء نے ان کے مہدیٔ موعود ہونے سے انکار کیا ہے۔ چنانچہ مولانا جمال الدین نے (جو اپنے عہد کے جامع شریعت و طریقت بزرگ تھے) اپنی ایک کتاب میں لکھتے ہیں کہ حضرت سیّد محمد جونپوری کی ولایت حق ہے لیکن ان کے مہدیٔ موعود ہونے کا اعتقاد باطل ہے۔

بے شمار لوگ ان کے عقیدت مند بھی تھے۔ مثلاً شیخ وجیہ الدین جو اس وقت کے بہت بڑے عالم تھے۔ ان کے سامنے جب سیّد موصوف اور ان کے بعض اتباع کی تکفیر کا فتویٰ پیش کیا گیا تو دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ جو جماعت دُنیا کو چھوڑ کر وقفِ حق پرستی ہے۔ میرا قلم اس کی مخالفت میں نہیں اُٹھ سکتا۔ اسی طرح سیّد رفیع الدین محدّث کہ بیک واسطہ حافظ عسقلانی کے شاگرد تھے۔ شیخ عبد القادر بدایونی ان کی نسبت لکھتے ہیں "کہ با مہدویہ حُسنِ ظن داشت"

بدایونی ان کے وصال کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے:

"دریں سال (یعنی ۹۱۱ ھ میں) میر سیّد محمد جونپوری قدس اللہ سرّہ از اعاظمِ اولیاءِ کبار کہ دعواتے مہدویہ از سر بر زدہ بود ہنگامِ مراجعت از مکّہ معظمہ بجانب ہند در بلدہ فداہ داعیِ حق را لبیک فرمود"

ان سطور سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ مہدی جونپوری کے عقائدِ باطلہ سے لوگ ابھی مکمّل طور پر آگاہ نہیں ہوتے تھے۔ حضرت شیخ عبد الحق محدّث دہلوی نے اس کو بھی دشمنانِ رسالت کی صف میں کھڑا کیا ہے۔ اور اس کے باطل عقائد کی نشاندہی کی ہے۔

"در اعتقاد سیّد محمد جونپوری ہر کمالیکہ محمد رسول اللہ علیہ وسلّم داشت در سید محمد جونپوری نیز بود۔ فرق ہمیں است کہ آنجا باصالت بود و ایں جا بہ تبعیت۔ و تبعیت رسول بجائے رسیدہ کہ ہمچو اُو شد"

یعنی "سید محمد جونپوری کا عقیدہ تھا کہ ہر کمال جو محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم رکھتے تھے اور جس مرتبہ تک وہ پہنچے ہوئے تھے سید محمد بھی وہی درجہ کمال رکھتا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ آنحضرتؐ کے مراتب اصالتاً تھے اور سیّد محمد کے تبعیتاً۔ وہ اتباعِ رسول میں اس درجہ تک پہنچ گئے تھے کہ مثلِ رسول ہو گئے تھے"

اکبر کے بعد دارا شکوہ و سرمد متحدہ قومیت کے علمبردار اور وجودی تصوّف کے نقیب تھے۔ دارا شکوہ

کی تصنیف مجمع البحرین اس کے عقائد کی آئینہ دار ہے جس سے متحدہ قومیت کا تصور ملتا ہے۔ دارا شکوہ کے نظام تصوف میں شریعت اور طریقت کی ہم آہنگی نظر نہیں آتی۔ شریعت اور طریقت میں عدم توافق اس دور کی نمایاں خصوصیت ہے جس کا اندازہ اورنگ زیب اور سرمد کی مندرجہ ذیل رباعیات سے ہوتا ہے۔ ان رباعیات سے ضمناً اس حقیقت کا بھی سراغ ملتا ہے کہ اورنگ زیب کا سرمد کو قتل کروانا ذاتی مخاصمت کی بنا پر نہ تھا بلکہ وہ از روئے شریعت گردن زدنی تھا۔ سرمد نے یہ رباعی لکھ کر اورنگ زیب کے پاس بھیجی ؎

من سرِ خود راز اوّل زیرِ پا دانستہ ام　　شہرِ دہلی را بجائے کربلا دانستہ ام
رفت دارا در پئے منصور و سرمد نیز رفت　　دار بازی را رضائے کبریا دانستہ ام

اورنگ زیب اس کا جواب دیتا ہے: ؎

من شریعت را بجان راہِ خدا دانستہ ام　　شہرِ دہلی را فدائے مصطفےٰ دانستہ ام
رفت دارا در پئے فرعون و سرمد نیز رفت　　دار بازی را سزائے اَتقیاء دانستہ ام

عالمگیر نامہ میں دارا شکوہ کے عقائد کو اس طرح واشگاف کیا گیا ہے۔

"در اواخر حال باظہار مراتب اباحت و الحاد کہ در طبع او مرکوز بود و آنرا تصوف نام مے نہاد، اکتفا نہ نمودہ بدین ہندوان و کیش و آئین ایشاں مائل شدہ بود۔ ہموارہ با برہمناں و جوگیاں سنیاسیاں محنت مے داشت و آں گروہ را مرشدِ کامل و عارفاں بحق واصل مے پنداشت و کتاب آنہارا کہ بہ بید موسوم است کتابِ آسمانی و خطاب ربانی میدانست و مصحف قدیم کتاب کریم مے خواند"

(ترجمہ) آخر زمانہ میں اباحت و الحاد اس کی طبیعت میں جاگزیں ہو چکا تھا جسے وہ تصوف کے نام سے موسوم کرتا تھا، اس کے اظہار پر قناعت نہ کرتے ہوئے۔ وہ ہندوؤں کے دین اور ان کے رسم و رواج کا گرویدہ ہو گیا تھا۔ برہمنوں جوگیوں اور سنیاسیوں کے ساتھ ہمیشہ محبت رکھتا اور ان کو مرشدِ کامل اور خدا رسیدہ عارف سمجھتا اور وید کو کتاب آسمانی اور خطاب ربانی جانتا اور کتابِ کریم کو اوّلین مصحف کہتا تھا۔"

دارا شکوہ کے پیر ملا بدخشی مندرجۂ ذیل آیت کی تفسیر میں لکھتا ہے :-

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَ اَنْتُمْ سُکَارٰی

"اے کسانیکہ ایمانِ حقیقی آوردہ اید نزدیک نماز نشوید۔ در وقتیکہ در حالت سُکر و مستی باشید، سُکر حالتِ بلند تر است از نماز گذاردن۔ اگر مستی مجازی است قربِ نماز ممنوع است تا نماز ملوث نشود۔ دریں صورت عزّت نماز است۔ واگر سُکر حقیقی است باز ہم قربِ نماز ممنوع است، دریں صورت عزتِ سُکر است۔ مُصلّی نماند نماز کہ خواند۔

(ترجمہ) وہ لوگ جو ایمانِ حقیقی حاصل کر چکے ہیں سُکر اور مستی کی حالت میں نماز کے قریب مت جائیں۔ کیونکہ حالتِ سُکر اداءِ نماز سے بلند تر ہے۔ اگر سُکر مجازی ہے تو قربِ نماز ممنوع ہے۔ تاکہ نماز آلودہ نہ ہو اور اس صُورت میں نماز کی عزّت ہے اور اگر سُکر حقیقی ہے تب بھی قربِ نماز ممنوع ہے اس صُورت میں سُکر کی عزّت ہے۔ نماز پڑھنے والا ہی نہ رہا۔ نماز کون پڑھے"۔

حضرت بو علی قلندر انہی خیالات کی ترجمانی یوں فرماتے ہیں:

من مستِ خرابات نمازے کہ گذارم
دردے نہ قیامے نہ رکوعے نہ سجودے

حضرت مجدّد الف ثانیؒ نے اِس مُلحدانہ صورتِ حال کا بنظرِ غور مطالعہ کیا تھا۔ وہ مسلمانوں کی انفرادیت کو ہندو قوم میں مدغم ہوتے دیکھ کر اس کے خلاف جہاد کے لیے کمربستہ ہو گئے۔ انہوں نے متحدہ قومیت کے تصوّر کو باطل قرار دیتے ہوئے نظریۂ وحدۃ الوجود اور بھگتی مذہب کا اِبطال فرمایا۔ اور مسلمانوں کی الگ قومی انفرادیت کو برقرار رکھتے ہوئے دو قومی نظریہ کی از سرِ نو تشکیل کی۔

حضرت مجدّدؒ نے نہ صرف نظریۂ وحدت الوجود کا رد پیش کر کے وحدت الشہود کا اعلان کیا بلکہ مسلمانوں پر یہ بھی واضح کیا کہ نسبتِ محمدی کے بغیر نہ تو توحید کو سمجھا جا سکتا ہے اور نہ اسلام کا تصوّر ہی پیدا ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک طریقت بغیر شریعت کے محض شیطنت ہے۔ اس لیے فرمایا کہ وہ لوگ جو ولایت کو نبوّت پر مقدم جانتے ہیں وہ بادۂ حقیقت سے بہت دُور ہیں۔

اورنگ زیب نے نہ صرف حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کے نظریات کی توثیق کی بلکہ عملاً شرعی احکام کے نفاذ کے لیے کمربستہ ہو گئے اور جو شخص راہِ شریعت میں حائل ہوا اسے گردن زدنی قرار دیا۔ حضرت مجدّدؒ نے مسلمانوں کی گُم کردہ راہ جماعت پر یہ واضح کیا کہ طریقت کے لیے شریعت شرطِ اوّل ہے۔ نیز رسالت

توحید کا جُزو لا ینفک ہے۔ کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ سے بھی یہی ظاہر ہے۔ آپ نے بتایا کہ تصوّرِ توحید بغیر اتباعِ رسول کے محال ہے۔ کوئی کتنا ہی موحّد کیوں نہ ہو مگر ناقص ہے جب تک کہ رسول کی پیروی نہ کرے۔ آپ نے دعویٰ کیا کہ وحدت الوجود کشفی غلطی ہے اور چونکہ خلافِ اسلام ہے اس لیے زندقہ ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے اپنے زمانہ میں وحدت الوجود اور وحدت الشہود میں تطبیق پیدا کر کے مسلمانوں کو متحدہ قومیّت کے لیے آمادہ کرنے کے دوبارہ کوشش کی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ مغلیہ کے زوال کی وجہ سے مسلمان بہ حیثیتِ قوم بالکل کمزور ہو چکے تھے۔ ہندوؤں اور سکھّوں کا ان پر غلبہ تھا۔ اور وہ ان پر بے پناہ مظالم توڑ رہے تھے[1]۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے مسلمانوں کو کُفّار کے دستِ تظلّم سے بچانے کی خاطر متحدہ قومیّت کا نظریہ قبول کیا تاکہ کفر و اسلام کی آویزش مٹ سکے۔ لیکن ان کی یہ کوشش بار آور نہ ہو سکی۔ مسلمانوں اور سکھّوں کے درمیان کئی محاربات ہوئے۔ خلیفہ سیّد احمدؒ و حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کا سکھّوں کے خلاف جہاد اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے اپنی مایۂ ناز تصنیف "تقویۃ الایمان" لکھ کر نظریہ وحدت الوجود کے خلاف توحید کا اثبات کیا۔

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں ہندوؤں اور مسلمانوں نے مل کر انگریز سے آزادی حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اِس پُر آشوب زمانے میں مسلمانوں پر آفت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ بے شمار علماء شہید کر دیئے گئے۔ راقم کے جدِّ امجد مولانا سعدالدین مرحوم کو بحالتِ اسیری دہلی بھیجدیا گیا لیکن وہاں بصد مشکل ان کی رہائی ہو گئی۔ اِس جنگِ آزادی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان تو معتوب ہوئے اور ہندوؤں کو انگریز نے مراعات دینی شروع کر دیں۔ انگریز کی DIVIDE AND RULE. کی پالیسی دو قومی نظریہ کے حق میں تھی لیکن جلد ہی کانگرس کا قیام عمل میں آیا۔ کانگرس کا مقصد نشنلزم وطنیت کی بنا پر متحدہ قومیت کا تصوّر از سرِ نو پیدا کرنا تھا۔ دو قومی نظریے کے خلاف سابقہ مذہبی تحریکیں ناکام ہو چکی تھیں۔ یہ ایک نیا تجربہ تھا جس کے ذریعہ سے کانگرس نے قومی اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کی۔ بے شمار مسلمان بھی کانگرس میں شامل ہو گئے لیکن سر سیّد مرحوم نے بہت جلد کانگرس کی مخالفت شروع کر دی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ ہندو مسلمانوں کا

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مکتوباتِ حضرت شاہ ولی اللہ، مرتبہ خلیق احمد نظامی مطبوعہ علی گڑھ۔

کلچر مٹانے کی سر توڑ کوشش کر رہے تھے، تاکہ انہیں اپنے اندر مدغم کر لیا جائے۔ ادھر مسلمانوں میں قومی احساس بڑھ رہا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں قوموں میں اختلافات کی خلیج وسیع ہوتی چلی گئی۔ مولانا حالیؒ، مولانا شبلیؒ اور اقبال نے اپنی ولولہ انگیز نظموں سے مسلمانوں کے قومی جذبے کو ابھارا۔ مولانا محمد علی نے ندوۃ العلماء کی بنیاد ڈالی جس کا مقصد علومِ اسلامیہ کا احیاء اور ان کے نظریۂ قومیت کا تحفظ تھا۔ مسلم لیگ کے قیام سے ہر چند مسلمانوں کے دو قومی نظریے کو از سرِ نو زندگی حاصل ہو چکی تھی۔ لیکن کانگرسی علماء متحدہ قومیت کا راگ برابر الاپتے چلے جا رہے تھے۔ سابقہ تحریکوں کے برعکس انہوں نے متحدہ قومیت کی اساس مذہب نہیں بلکہ وطن قرار دیا تھا۔ اس مسئلے پر مولانا حسین احمد مدنی مرحوم اور علامہ اقبال مرحوم کے درمیان یہ معاملہ زیرِ بحث رہا کہ آیا قومیں اوطان سے بنتی ہیں یا مذہب سے۔ مولانا حسین احمد مدنی کا یہ خیال تھا کہ قومیں مذہب سے نہیں بلکہ اوطان سے بنتی ہیں۔ مولانا کا استدلال یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے مدینہ میں یہودیوں کے ساتھ مل کر رشتۂ وطنیت کی بنا پر متحدہ قومیت بنائی تھی۔ اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ ہندوستان میں انگریز سے آزادی حاصل کرنے کے لیے متحدہ قومیت کو تشکیل نہ دیا جائے۔

یہ روایت جس کا مولانا حسین احمد مدنیؒ نے اشارہ دیا ہے سیرتِ ابن ہشام اور ابو عبید کی کتاب الاموال میں مذکور ہے۔ لیکن ابن ہشام نے اپنی کتاب میں سرے سے روایت کی اسناد گویا لکھی ہی نہیں۔ قال ابن اسحٰق پر ہی اکتفا کیا ہے۔

ابو عبید نے البتہ اپنے شیوخ تا بہ ابن شہاب (الزہری) گنوائے ہیں لیکن سلسلۂ رُواۃ کا اس میں بھی نا تمام ہے۔ ابن شہاب نے "بَلَغَنِی" کہہ کر روایت شروع کر دی ہے یہ نہیں بتایا کہ کس سے پہنچی۔ زہری کا مرتبہ حدیث میں مُسلّم، لیکن اس کو کیا کیجیے کہ روایت کی اسناد اس میں منقطع ہیں۔ اس لیے اصولِ روایت کی رُو سے نہ ابنِ ہشام کی روایت قبول ہو سکتی ہے نہ ابنِ عبید کی۔ اس پہ مزید یہ ہے کہ یہ روایت خواہ اسناد و متن کے لحاظ سے صحیح ہی کیوں نہ ہو، عملِ رسول اللہ اور کتاب اللہ دونوں سے منسوخ ہو چکی۔

ذیل میں ہم اس نامۂ مبارک کی ابتدائی سطور درج کرتے ہیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ھٰذا کتاب من محمد النبی صلی اللہ علیہ وسلّم بین المومنین والمسلمین من قریش ویثرب ومن تبعھم فلحق بھم وجاھد معھم انھم اُمّۃٌ واحدۃ

من دون الناس[1]

(ترجمہ) یہ تحریر محمد نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قریش اور یثرب کے مومنوں اور مسلموں اور اُن لوگوں کے باب میں ہے جو اُن کے پیرو (ساتھ) ہو کر جہاد کریں، بایں مضمون کہ یہ تینوں اور سب کو چھوڑ ایک اُمت (ایک فریق ایک جماعت) ہیں۔

اس خط کی سولہویں شق میں مسلمانوں اور یہود کی متحدہ قومیت کی طرف اشارہ ہے۔

" و ان لیھود بنی عوف امۃ مع المومنین للیھود دینھم وللمسلمین دینھم موالیھم وانفسھم الا من ظلم و اثم فانہ لا یولغ الا نفسہ و اھل بیتہ۔

(ترجمہ) اور بنی عوف میں جو یہودی ہیں وہ ایک جماعت ہے مومنین کے ساتھ کی۔ یہود کے لیے اُن کا دین ہے اور مسلمانوں کے لیے اُن کا۔ ان کے موالی بھی ویسے ہی جیسے وہ خود۔ اس دین کے بارہ میں کوئی روک ٹوک نہیں مگر کوئی ظلم اور بدی کر بیٹھے تو وہ کسی اور کا کچھ نہیں بگاڑیگا۔ بلکہ اپنے آپ اور اپنے گھر والوں کو خود ہلاک کرے گا۔

یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ نامۂ نبوی کے ابتدا میں یہود اور مسلمانوں کی قوم کے لیے امتِ واحدہ کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ متحدہ قومیت اور اُمتِ واحدہ میں بُعد المشرقین ہے متحدہ قومیت کی بنا رشتۂ وطنیت پر ہی رکھی جا سکتی ہے لیکن لفظ واحدہ فردانیت کو چاہتا ہے۔ اس کے برعکس متحدہ قومیت ترکیب کو۔

وہ یہودی جن کا ذکر نامۂ نبوی میں آیا ہے اور جو مسلمانوں کے ساتھ اُمتِ واحدہ یا متحدہ قوم کا جزو تھے۔ سب کے سب عرب تھے۔ ایک ملک کے رہنے والے تھے۔ ایک دوسرے کے رشتہ دار تھے۔ ماں کی طرف سے خود رسول اللہ کے قرابت دار تھے۔ ایک زبان بولتے تھے۔ اخلاق و اطوار تہذیب و تمدن ان کا ایک تھا یکساں معاشرت تھی۔ اوضاع و اطوار تہذیب و تمدن .. .. رسم و رواج میں باہمی غیریت نہ تھی۔ وہ اپنی اصل پر اُمتِ واحدہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دفاعی اغراض کے لیے ان کے ساتھ مل کر ایک جماعت بنائی۔ یہ ایک وقتی

---

[1] سیرت ابن ہشام

مصلحت تھی۔ وقت آیا تو آپ نے اپنے عمل سے اس پارٹی کا خاتمہ کر دیا۔ اور جب تک بھی پارٹی رہی اس کا اصل اصول رہا۔ نا مسلم کا تابع ہونا اور مسلم کا متبوع ہونا۔

اس دفاعی وفاق کی مزید شروط وقیود حسب ذیل تھیں:

(۱) لڑائی میں یہود اپنا خرچ کریں اور مسلمان اپنا۔

(۲) بنی عوف کے یہود مسلمانوں کے ساتھ ایک اُمّت ہیں۔

(۳) یہود کے لیے اُن کا دین اور مسلمانوں کے لیے اُن کا۔

(۴) مسلمان باہم ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہونگے۔

(۵) جو یہودی ہمارا اتباع کرے گا ہماری طرف سے اس کے لیے بھلائی ہوگی۔ ظلم ہرگز نہ ہونے پائیگا۔

حاصل یہ ہے کہ مولانا حسین احمد مدنی کا یہ استدلال کام نہ آیا۔ اور بالآخر انہیں قبول کرنا پڑا کہ قومیّت کی اساس وطن نہیں بلکہ دین ہے۔ تاہم اقبال کی طرف سے ان پر ملّت فروشی کا الزام برقرار رہا ؎

عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ورنہ ۔۔۔ ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است

سرود بر سرِ منبر کہ ملّت از وطن است ۔۔۔ چہ بے خبر ز مقامِ محمدِ عربی است

بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست ۔۔۔ اگر بہ اُو نرسیدی تمام بولہبی است

برطانوی عہد میں انگریز مستشرقین کی جانب سے اسلام اور بانیٔ اسلام پر برابر حملے ہوتے رہے اور اب بھی ہو رہے ہیں ستم یہ ہے کہ بعض ناعاقبت اندیش مسلمانوں نے بھی محض جلب منفعت کی خاطر مرتبۂ رسالت کے خلاف ان مستشرقین کی ہمنوائی میں وہ باتیں قلمبند کی ہیں کہ ان کے مسلمان ہونے میں شک پیدا ہونے لگتا ہے۔ انگریز مستشرقین کے بعض حواریوں نے ختمِ نبوت کا مفہوم بدلنے اور مقامِ رسالت کی اہمیت گھٹانے میں جو کارہائے نمایاں کیے ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں۔ ان کے یہ حملے سابقہ حملوں کی طرح نہ صرف مرتبۂ رسالت پر بلکہ مسلمانوں کے نظریۂ قومیّت پر بھی متصوّر ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال نے تمام عمر ایسے لوگوں کے خلاف جہاد کرنے میں گزار دی۔ اسلامی نظریۂ قومیّت کے خلاف آخری حملہ ہندوستان کا مشرقی پاکستان پر حالیہ اقدام ہے۔ دو قومی نظریہ کے خلاف ان کی جارحیّت بدستور جاری ہے ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز ۔۔۔ چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

لہ مزید تفصیلات کے لیے "حرفِ اقبال" صفحہ آخر مرتبہ شملو ملاحظہ ہو۔